ہمارے چوپالوں کی ویرانی

ہماری دیہی زندگی کا ایک نہایت پر رونق و دلکش پہر وہ شامیں ہوا کرتی تھیں جبکہ دہقان اور چرواہے اپنے ڈھور ڈنگر لیکر گاؤں کو واپس لوٹتے تھے اور ان جانوروں کے گلے میں آویزاں گھنٹے و گھڑیال فضا میں عجیب خوش کن ارتعاش پیدا کرتے تھے۔ سر شام سے آہستہ آہستہ گاؤں کے بڑے بوڑھے چوپال میں اکٹھے ہونا شروع ہو جاتے تھے۔ حقہ کے دلربا دور میں مسحور کن گپ شپ شروع ہو جاتی تھی۔ اپنی اپنی آگاہی کے مطابق ہر شخص مقامی، ملکی بلکہ کبھی کبھی سنے سنائے بین الاقوامی معاملات پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا تھا۔ گفتگو اتنی دلچسپ ہوا کرتی تھی کہ شرکاء کا دن بھر کا پیدا شدہ ذہنی تناؤ آہستہ آہستہ چوپال کی دوستانہ فضا میں تحلیل ہو جاتا تھا اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا کر سکون کی نیند سوتے تھے۔ اکثر اوقات چوپال میں بچے بھی اپنے کھیلوں میں مشغول ہو کر خوش کن اور پر سکون ماحول پیدا کر دیتے تھے۔ چوپال کی دوستانہ فضا میں گاؤں والے اپنی شکر رنجیاں شکائتیں اور غلط فہمیاں افہام و تفہیم سے دور کر لیتے تھے۔ چوپالوں کا یہ ایک اہم تعمیری رول تھا۔ کسی کا کوئی مہمان آ جاتا تھا کہ تو وہ بھی شریک محفل ہو جاتا تھا۔

لیکن شومئی قسمت! کہ اب امن و امان کے ایسے پرخچے اڑ گئے ہیں اور آپس میں اتنی دشمنیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ کسی کی زندگی گھر کی چار دیواری کے اندر بھی محفوظ نہیں رہی اور نہ ہی عزت نفس کا کوئی احترام باقی ہے۔ خواتین کی حرمت بھی ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی ہے نہیں تو کچھ ہی عرصہ ہوا کہ گاؤں میں ہر کسی کی بیٹی کو تمام گاؤں کی بیٹی سمجھا جاتا تھا۔ کسی کو جرات نہیں تھی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ اس کی عزت و آبرو کی خاطر گاؤں والے جان دینے کو بھی تیار ہو جاتے تھے۔ اسلامی شعائر تو دور کی بات ہے اب تو ہماری انسانی اقدار بھی تباہ و برباد ہو گئی ہیں۔ صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے حقوق کا احترام ہے اور نہ ہی انسانی ہمدردی کا پاک جذبہ بلکہ ہم ایک دوسرے کو ایذا رسانی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ حقوق العباد کے حوالے سے ہمارے 70 فیصد دیہی آبادی کا حال شہریوں سے بھی بدتر ہے۔ اس کی اہم وجوہ تعلیم کا فقدان اور غربت ہے۔ صد افسوس کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے منصہ شہود پر آنے سے ابھی تک کسی حکومت نے بھی تعلیم کو اپنی ترجیح اول قرار نہیں دیا ہے حالانکہ سرور کائناتؐ پر نازل شدہ سب سے پہلی وحی میں اللہ جل جلالہ نے سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا ہے۔ عملی زندگی میں بھی حضور پاکؐ نے دس مسلمانوں کو تعلیم دینے کے عوض کفار کی جان بخشی کا حکم صادر فرمایا تھا۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مہد سے لیکر لحد تک علم حاصل کرو۔ انکا یہ قول بھی مشہور ہے کہ حصول علم کے لئے اگر دور دراز ملک چین بھی جانا پڑے تو ضرور جاؤ۔ حکومتوں کے بلند بانگ دعوؤں کے علی الرغم ہماری شرح خواندگی 20 فیصد سے بھی کم ہے۔ ملک بھر میں آبادی کے تناسب سے سکولوں کی تعداد بہت کم ہے۔ آبادی کی شرح جس تیزی سے بڑھ رہی ہے، حصول علم کی شرح اسی حساب سے گر رہی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ جو خاندان پڑھے لکھے ہوتے ہیں، مختصر ہوتے ہیں، اور ان پڑھ خاندان تعداد کے لحاظ سے بڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح زندگی کے ہر میدان میں ہمارے اجتماعی تنزل کی اصل وجہ بھی ناخواندگی ہے۔ ابھی تک ایسے بہت سے دیہات ہیں جہاں کوئی سکول نہیں ہے۔ زمینی حقائق سے عیاں ہے کہ اب ہمارا سفید پوش طبقہ بھی غرباء کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے۔ بدیں وجہ ہمارے الیکٹورل کالج میں اکثریت غرباء کی ہو گئی ہے جن کا معیار ووٹ بہت ہی مفلوک الحال ہے۔ مجھے ذاتی علم ہے کہ وہ ووٹ اس کو دیتے ہیں جو ان کے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے انکے ساتھ تھانے یا تحصیل میں جاتا رہتا ہے یا وہ اپنا ووٹ روپوں میں تول کر فروخت کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں ہماری جمہوریت بالکل نام نہاد ہے اور ایک بہت بڑا فریب ہے اسی لئے تو مفکر ملتؒ نے فرمایا تھا۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جسمیں
ووٹوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ایسے منتخب نمائندگان سوائے پیٹ پوجا کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ان سے ملک و قوم کی بہتری کے اقدامات کی امید رکھنا خام خیالی ہے۔ وہ تو اپنے منصب سے ہر قسم کا ذاتی مفاد حاصل کرنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اپنے ذاتی مقاصد کیلئے ہر چھوٹے بڑے افسر کی جی حضوری ان کا طریقہ کار ہوتا ہے۔ رشوت ستانی، چغل خوری، غیبت، مکر و فریب، بددیانتی اور بے ایمانی انکی گھٹی میں پڑے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ واقعی ننگ ملت و قوم ہیں۔ انہی لوگوں کی وجہ سے مسلمان ہر جگہ زیر عتاب ایزدی ہیں۔ کفار کے نیچے لگے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ ذلیل و خوار اور رسوا ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب چانکیہ کا تلمیذ لالہ پکوڑی مل جو چوہیا سے بھی ڈر جاتا ہے ہمیں آنکھیں دکھا رہا ہے! سچ تو یہ ہے کہ قائداعظمؒ نے پاکستان تو بنوا دیا لیکن زندگی نے انہیں اس کو مستحکم کرنے کی مہلت نہ دی۔ ان کے بعد جتنے بھی رہنما برسر اقتدار آئے ان میں سے بیشتر نے محلاتی سازشوں اور عیاشیوں میں الجھ کر تعمیر پاکستان میں دلچسپی ہی نہیں لی۔ بقول شاعر ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

(جب معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دیتا ہے تو ثریا کی بلندیوں تک دیوار بھی ٹیڑھی ہی چلی جاتی ہے)

درحقیقت آج کل کی جمہوریت اسلام سے متصادم ہے۔ اسلام میں خلافت طرز حکومت ہے لیکن ایسی خلافت جس میں ایک ان پڑھ جاہل بدھو بھی سر عام اٹھ کر خلیفہ وقت سے بے دھڑک پوچھ سکتا ہے کہ اس کے پاس مال غنیمت سے دو چادریں کس طرح آئیں؟ جبکہ ہر فرد کو صرف ایک چادر ملی ہے۔ اس کو اس سوال کا خاطر خواہ جواب ملتا ہے اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ نے بھی خلافت کے حق میں فرمایا تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر
محمد عالمگیر خان

بترس از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید
(جمہوری طرز حکومت سے بچ اور پختہ کار و معقول انسان بن کہ دو سو گدھوں کے مغز سے انسانی عقل پیدا نہیں ہوتی)

یہ امر واقعہ ہے کہ ابھی تک ہماری دیہی آبادی میں وڈیروں اور زمینداروں کا بہت دب دبہ ہے۔ اگر مقامی وڈیرہ ناراض ہو جائے تو اپنے مزارعوں پر اتنی سختی کر دیتا ہے کہ الامان! انکو اور انکے اہل و عیال کو رفع حاجت کیلئے اپنے کھیتوں میں گھسنے تک نہیں دیتے۔ ان کی سرپرستی کے بغیر کسی چوپال میں رونق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مالی و نہری پٹواری گھن کی طرح دہقانوں کو چمٹے رہتے ہیں۔ ان کا طریقہ واردات یہ بہانہ ہے کہ ہم نے اوپر تک بھتہ دینا ہوتا ہے۔ چونگیوں کے منشی سرکاری محصول کے علاوہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے علیحدہ رقم مانگتے ہیں جس کی مانگنے سے بھی رسید نہیں ملتی۔ محکمہ پولیس کا نچلا طبقہ سوہان روح بنا رہتا ہے۔ جتنا بھی حکومت کے افسران بالا نظم و نسق کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں رشوت خور رشوت لینے سے باز نہیں آتا۔ بیشک کوئی بھی محکمہ ہو۔ محکمہ زراعت کی تمام رپورٹیں دفتروں میں بیٹھ کر تیار کی جاتی ہیں۔ زراعت انسپکٹر و فیلڈ افسر کھیتوں اور کھلیانوں میں جاتے ہی نہیں۔ بڑے افسروں کے دورے بھی خال خال ہی ہوتے ہیں۔ نتیجتاً دہقان پرانی ڈگر پر ہی قائم ہیں۔ وہ زراعت کے جدید طریقے استعمال نہیں کرتے تو ہماری پیداوار کیسے بڑھ سکتی ہے!

یہ امر واقعہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے افسران بالا کے دوروں کا کل خرچ بھی مقامی کسانوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ صاحب بہادر کو بل چند روپوں کا ہی دیا جاتا ہے جس میں مرغی کی قیمت چند سکے ہی لکھے جاتے ہیں۔

مجھے ایک نہایت ایماندار اور شریف النسل ڈپٹی کمشنر کا علم ہے جس کو کہ ایک بڑے افسر کے دورے کا خرچ برداشت کرنے کے لئے مجبوراً تحصیلدار کو کہنا پڑا کیونکہ اس بڑے افسر نے بار بار کہنے پر بھی بل ادا نہیں کیا۔

پاکستان کی ہر جہت مفلوک الحالی کی اصل وجہ رائے عامہ کا فقدان ہے جس کی بنیادی وجہ تعلیم و تربیت کا نہ ہونا ہے۔ لوگوں کو اپنے حقوق کا پتہ ہی نہیں ہے وہ ڈھور ڈنگر کی طرح ادھر ادھر بھگائے جانے کے عادی ہو چکے ہیں۔

دیہی علاقوں میں کم و بیش جنگل کا قانون چلتا ہے۔ وہاں کے باشندے یہی جانتے ہیں کہ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس ہوتی ہے۔ انکا معمول زندگی نہایت ہی سادہ ہے۔ وہ گھر سے کھیت اور کھیت سے گھر آکر سو جاتے ہیں۔ چوپال ہی انکی تفریح طبع، تعلیم و تربیت اور آگہی کا مرکز ہوتا تھا اب وہاں بھی پژمردگی اور ویرانی ہے۔

مہنگائی اور عوام

ڈاکٹر ایم اے صوفی

ان دنوں جلدی سے اشیا خوردنی مہنگی ہو رہی ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا ہے۔ عام آدمی کی قوت خرید کم ہوتی جا رہی ہے۔ تنخواہ دار طبقہ اور شریف متوسط طبقہ احتیاط کے باوجود سفید پوشی قائم نہیں رکھ سکتا۔ بچوں کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ معاشرے میں عزت نفس سے بچوں کی بنیادی تعلیم و تربیت مشکل ہے کتابیں مہنگی کاغذ اور سیاہی پنسلیں کیا عام آدمی خرید سکتا ہے؟ سکول کی یونیفارم سکول کتابیں مہنگی ہیں اسی طرح دیہی آبادی میں سکول برائے نام ہیں۔ شہری آبادی کے سکول بے شمار ہیں۔ ہر گلی محلے 'سفید پوش آبادی میں اپنی طرز معاشرت کے تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ فیس ان کی زیادہ ہے۔ اور مہنگے سے مہنگے تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ اسی لاہور شہر میں امراء کے لئے سکول بے حد مہنگے' ان کے بچوں کے لئے سکول لے جانے کے لئے مرسیڈیز' پیجارو گاڑیاں ہیں اور اسی لاہور کارپوریشن کے سکولوں میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ کئی جگہوں پر ایک کمرہ میں دو دو کلاسز لگتی ہیں۔ اگر پاکستان میں عوام کا معیار زندگی اچھا نہ قائم رہ سکا تو ترقی کے دیگر مواقع میسر نہیں ہو سکتے۔ معاشرتی سوجھ بوجھ بھی مملکت کے بجٹ کی ساکھ پر ہوتی ہے۔ سیاست ساری کی ساری جاگیرداروں' سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی سیاست اسی طبقہ کی لونڈی ہے۔ جاگیردار تو ہمیشہ عوام کا استحصال اس لئے کرتا ہے کہ وہ اپنی تجوریاں بھر لیں تاکہ اس کا رعب تمام عوام پر قائم رہے۔ اگر ہم نے یہ روش ترک نہ کی جو چند لوگوں کو زیادہ دولت مند' سرمایہ دار اور طاقتور بناتی ہے تو غریب زیادہ غریب رہے گا۔ پھر ردعمل پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس قانون ایک ایسا گر ہے جس سے اقتصادی نظام ایسا تشکیل دیا جائے امیر اور غریب کے درمیان فرق نہ ہو۔ لوگ آسانی سے زندگی گزار سکیں۔ قائداعظم نے اپریل 1946ء کو دہلی کے ایک کنونشن میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں چاہتا ہوں کہ پاکستان میں ایسا اقتصادی نظام قائم ہو جہاں امیر و غریب کے درمیان کم سے کم تفاوت ہو۔"

اصل مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ پیداوار ہو خواہ وہ صنعتی ہو یا زرعی ہو شہر و گاؤں میں امن و امان ہو' بجلی کی فراہمی ہو' حکومت کی سرپرستی جاگیردار طبقہ سے ہٹ جائے اور قانون کو بالادستی ہو' غیر ترقیاتی منصوبوں پر کمی ہو اسمبلیوں یا حکومت کے ممبران کے اخراجات میں کمی ہو۔

پاکستان کی درآمد جس میں پٹرولیم اور اس کی دیگر اشیا مصنوعات مشینری ادویات اور کیمیکلز اور ساتھ میں گندم بھی باہر سے منگواتے ہیں۔ ہماری ایکسپورٹ کی آمدن کم اس لئے ہے کہ ہمارا سسٹم سوچ اور پالیسی کمزور ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ملکوں نے درآمد اور برآمد میں توازن قائم کیا اور اپنے لئے خوشحالی لے آئے۔ ہم نے اپنے مزاج اور رویے کو یک طرفہ بدلا اور ہم نقصان کی طرف چلے گئے۔ بیرونی سرمایہ کاری اچھی چیز ہے مگر پاکستانی مصنوعات کی حوصلہ افزائی نہ ہوئی تو معاشی مسائل پیدا ہوں گے اور مزید خراب ہونے کا خطرہ ہے۔

لہٰذا اندرونی پالیسی کو بہتر کرنے کے لئے انڈسٹری کی سرپرستی' افرادی قوت کا صحیح استعمال ہو گا۔ اسی طرح زرعی شعبے میں حکمت عملی کی فراست سے کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ جو کام کرتا ہے اسے اس کا صلہ ضرور ملنا چاہئے۔ بیکار زمین کو کاشت میں لایا جائے۔ حکومت کو چاہئے کہ صنعتی پیداوار میں اضافہ کرنے کی تدابیر اختیار کرے صنعتی یونٹ بند نہ ہوں۔ زرعی پیداوار میں اضافہ ہو۔ لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ محنت کریں اور اس کا معاوضہ ان کو اچھا مل جائے تو معیشت کا حال بہتر ہو گا۔ صرف ٹیکس لگانے سے کام نہیں چلے گا۔ فضول خرچی کنٹرول کی جائے یا بیرونی اخراجات یعنی غیر ملکی دوروں کے اخراجات کم ہوں۔ ہر ورکر کو اس کا حصہ دیا جائے۔ تاجر طبقہ کو اعتماد میں لے کر بجٹ پر نظر ثانی کی جائے تاکہ ملک میں امن کی فضا قائم ہو سکے ورنہ ہڑتالیں ملک کی اقتصادی پوزیشن کو برباد کر دیں گی۔ سنجیدگی کے ساتھ ملک کی اقتصادی پوزیشن کو پختہ کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً اس وقت مقامی سرمایہ کاری رکی ہوئی ہے کہ حکومت نے بیرونی سرمایہ کاری میں دلچسپی لے رکھی تھی جس سے پاکستان کے صنعت کار سرمایہ دار مایوسی کے عالم میں ملک سے باہر جا رہے ہیں۔ چاہئے تو یہ کہ جتنے سرمایہ دار' زمیندار' کارخانہ دار سابق ممبران اسمبلی نے جتنے قرضے ان کی طرف ہیں وہ معاف نہ کئے جائیں۔ سختی سے ان لوگوں سے قرضے واپس لئے جائیں۔ تاکہ معیشت میں اضافہ ہو۔ دوسرا کرپشن سے پاک معاشرہ قائم کیا جائے۔ دولت تو رشوت کی صورت میں ٹھیکوں کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ اشیا کی برآمد کی صورت میں چند افراد کے پاس اس طرح دولت آجاتی ہے اور وہ امیر تر ہو جا رہے ہیں اور دوسرے لوگ غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔

اربوں روپیہ آبیانہ زمینداروں کی طرف ہے۔ اربوں روپیہ کی معین قریشی صاحب نے لسٹ شائع کی تھی۔ بڑے لوگ ہضم کر گئے ہیں۔ الاٹ پلاٹ میں کروڑوں روپیہ ہضم بڑی کارپوریشنیں اور ان کے سربراہوں نے اربوں رشوت ہضم کر لی۔ سڑکیں ناقص بلڈنگیں ناقص حتیٰ کہ قومی اسمبلی کی چھت بھی ایک وقت ٹپک پڑی۔ قائداعظم ائرپورٹ میں کرپشن کی وجہ سے نقص۔ روپیہ تو اس طرح برباد ہوتا رہا۔ اس کو روکئے۔ عام اشیا خوردنی چاول گیہوں چینی دالیں سبزیاں سستی مہیا کریں۔ تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ تعلیم یکساں ہوں۔ بڑی گاڑیوں پر پابندی لگائی جائے۔ کیا ضرورت ہے پیجارو گاڑی کی شہر میں چلانے کی۔ بچوں کو سکول میں لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دولت کا اظہار غلط کیا جارہا ہے۔ اسی لئے کلرک گڑگڑا کر التجا کرتے ہیں کہ وہ بھوکے ہیں۔ تنخواہ پر گزارہ نہیں کر پاتے۔ جلوس نکالتے ہیں۔ ننگے پیٹ لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ اس مظلوم طبقہ کے لئے چیزیں سستی کی جائیں۔ اللہ آپ سے راضی ہو گا اگر خدانخواستہ ایسا نہ کیا گیا تو قیامت کے روز حساب لیا جائے گا۔